لقائے باری تعالیٰ پر یقین کرنے سے انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵/ اکتوبر ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۵﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۸﴾

(الجاثیہ: ۳۵ تا ۳۸)

پھر فرمایا:۔

یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے سورۂ الجاثیہ سے لی گئی ہیں۔ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم نے تم کو اسی طرح بھلا دیا ہے جیسے تم اس دن کو بھلا بیٹھے تھے جس دن تمہاری ملاقات مقدر تھی یعنی لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا آج کے دن کی ملاقات کو بھلا بیٹھے

تھے۔ وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا یہ اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ کی آیات کو تم نے مذاق کا نشانہ بنایا اور ان سے تمسخر کیا۔ وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں ان باتوں کو نظر انداز کرنے میں مدد دی۔ غَرَّ کا مطلب ہے: دھوکے میں مبتلا کر دیا۔ دنیا کی زندگی نے تمہیں ان باتوں سے غافل کر دیا۔ دھوکے میں مبتلا کر دیا اور تم ان باتوں کی اہمیت کو سمجھ نہیں سکے۔ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ پس آج کے دن وہ اس عذاب سے نجات نہیں پائیں گے لَا يُخْرَجُوْنَ کا مطلب ہے نکالے نہیں جائیں گے۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ اور ان کی کسی چوکھٹ تک رسائی نہیں ہوگی۔ پس یہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب ہے۔ تمام جہانوں کا رب ہے اور اسی کے لئے الْكِبْرِيَآءُ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور وہ عزیز اور حکیم ہے۔

ان آیات میں دردناک عذاب کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس میں سب سے پہلے تو یہ بات انسان کے ذہن کو متعجب کرتی ہے کہ کیوں بعض لوگوں کو کسی عذاب کی حالت میں چھوڑ کر بھلا دیا جائے گا۔ دنیا کی تاریخ میں تو ہمیں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں بہت سے ایسے قلعوں کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں جن کے نیچے زیر زمین ایسے قید خانے تھے جہاں بادشاہوں کی مخالفت کرنے والوں کو ایک دفعہ داخل کر کے بھلا دیا جاتا تھا اور پھر کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانے میں بھی بعض ممالک کے جیل خانوں کے متعلق بعض اطلاعیں دینے والے ایسی ہی اطلاعیں دیتے ہیں کہ وہاں جب ایک دفعہ کسی کو پھینک دیا جائے تو پھر اس کی کوئی رسائی نہیں ہوتی اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

مجھے یاد ہے کہ چند سال پہلے کچھ احمدیوں کو بعض ظالموں نے شکایت کر کے سعودی عرب میں جیل میں بھجوا دیا اور تقریباً دو مہینے وہ اسی حالت میں پڑے رہے۔ کسی نے ان سے پوچھا نہیں کہ کیا جرم تھا نہ کوئی پیشی ہوئی یہاں تک کہ جماعت کی کوششوں سے پھر بالآخر ان تک ہماری رسائی ہوئی اور ان کی دادرسی ہوئی تو اس زمانے میں بھی ایسے ظلم دیکھنے میں آتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے جو فرمایا کہ قیامت کے دن بعض مجرموں سے یہی سلوک کیا جائے گا تو یہ معاملہ تو دنیا کے معاملات سے

کچھ الگ ہونا چاہئے۔ دنیا کے معاملات میں تو یہ طریق ظلم کا طریق ہوا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بھولنے کے مضمون کو بھولنے سے باندھا ہے فرمایا کہ ہم تمہیں بھلا دیں گے جیسا کہ تم نے ہماری لِقَآءَ کو بھلا دیا۔

پس پہلی بات تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ناانصافی کا مضمون نہیں، ظلم کا مضمون نہیں بلکہ برابر کا بدلہ دیئے جانے کا مضمون ہے لیکن یہ کافی نہیں ہے کیونکہ انسان جب خدا کو بھلا دیتا ہے تو اس کا بھلانا ایک عارضی حیثیت رکھتا ہے اور محض بھلانے کے نتیجے میں اتنی بڑی سزا کو تسلیم کرنے پر دل آمادہ نہیں ہوتا جب تک اس کے نتیجے میں کچھ اور ایسے مکروہ افعال سرزد نہ ہوں جن کے علم کے بعد انسانی دل مطمئن ہو جاتا ہے کہ ہاں یہ شخص سخت سلوک کا سزاوار تھا۔ پس بھلانے کے نتیجے میں کچھ اور واقعات ہونے چاہئیں۔ کچھ ایسی باتیں رونما ہونی چاہئیں جس کے نتیجے میں انسانی فطرت مطمئن ہو کہ ہاں ایسا شخص زیادہ سزا کا مستحق ہے۔ تو اسی مضمون کو خدا تعالیٰ پھر اگلی آیات میں کھولتا ہے فرماتا ہے: ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا یہ صرف اس لئے نہیں کہ تم نے خدا کو بھلا دیا، اسے یاد نہیں کیا بلکہ اس حد تک بھلا دیا کہ تم نے خدا تعالیٰ کے نشانات کو مذاق کا نشانہ بنایا اور ان سے تمسخر کرنا شروع کر دیا۔ پس یہاں بھلانے سے مراد محض کسی دوست کو بھلا دینا نہیں یا کسی فوت شدہ کو بھلا دینا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس سے بے خوف ہو جانا اور دل میں یہ یقین پیدا کر لینا کہ میں کبھی اس کے سامنے پیش نہیں کیا جاؤں گا۔

پس لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا میں اس بات کی وضاحت ہے کہ وہ لوگ جو جرموں پر جرأت اختیار کرتے ہیں اور بیباک ہو جاتے ہیں ان کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ دل میں یقین کر بیٹھتے ہیں کہ قیامت و یامت سب قصے ہیں، ان میں کوئی بھی حقیقت نہیں اور ہم خدا کے حضور پیش نہیں ہوں گے اور کوئی نہیں ہے جو ہماری جواب طلبی کر سکے۔ پس اس کے نتیجے میں دو باتیں، دو سلوک ان سے کئے جائیں گے۔ اول یہ کہ چونکہ وہ یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ پیش نہیں کئے جائیں گے اور اس کے نتیجے میں جرائم پر جرأت کرتے ہیں اس لئے جب ان کو سزا دی جائے گی تو ان کی پیشی کسی کے سامنے نہیں ہو گی اور دادرسی کے لئے کوئی چوکھٹ نہیں پائیں گے۔

يُسْتَعْتَبُوْنَ کا مطلب ہے کسی چوکھٹ تک رسائی پانا۔ تو فرمایا کہ وہ تو خود یقین کر چکے

ہیں کہ کوئی ہے ہی نہیں اور کسی کے سامنے ہماری جواب طلبی نہیں ہوگی۔اس لئے عدم کے سامنے ان کی دادرسی بھی نہیں ہوسکتی۔ اپیلیں تو وہاں ہوتی ہیں جہاں کوئی وجود ہو۔ پس ان سے ان کے اپنے اعتقادات کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ محض بھلا دینا کافی نہیں۔بھلا دینے کے بعد بعض بداعمالیوں پر جرأت کرنا اور بیبا کی اختیار کرنا یہ دراصل انسان کو سزاوار قرار دیتا ہے۔چنانچہ اس کے متعلق دو باتیں بیان فرمائیں وہ تمسخر سے کام لینے لگے اور دنیا کی زندگی نے انہیں رستے سے بھٹکا دیا اور بے راہ رو کر دیا۔

یہ جو مضمون ہے اس کا روزمرہ کے گناہوں کے ساتھ ایک بڑا گہرا تعلق ہے۔مغربی دنیا میں جب بھی ہم اسلام کا پیغام پہنچاتے ہیں تو بسا اوقات میں نے دیکھا ہے کہ دلائل کے ساتھ ان کو قائل بھی کر لیا جائے کہ اسلام ایک معقول مذہب ہے اور اس دنیا کے مسائل کا حل رکھتا ہے تب بھی وہ اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور دراصل عیسائیت کے مقابل پر اسلام کو کمتر جان کر اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ اپنی تہذیب سے چمٹے ہوئے ہیں اور اسلام کے مقابل پر اپنی تہذیب کو قربان نہیں کر سکتے۔اس تہذیب نے ان کو بہت سی آزادیاں دے رکھی ہیں، ہر قسم کی لذت یابی کے سامان یہاں موجود ہیں اور ہر قسم کی لذت یابی کی اجازت موجود ہے پس غَرَّتۡكُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا کا یہ مطلب ہے کہ آخرت کے اوپر اور جزاء سزا پر ایمان کا نہ ہونا لازماً انسان کو دنیا کی طرف جھکا دیتا ہے اور وہ دنیا کا کیڑا بن جاتا ہے اور ان دونوں مضمونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے پس جب خدا کو بھلا کر اور یوم آخرت کو بھلا کر انسان دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رہا ہو تو ناممکن ہے کہ وہ موت کے بعد کے متعلق ایک فرضی خیال کے اوپر اس چیز کو قربان کر دے جو اس کے ہاتھ میں ہے اور وعدہ فردا پر آج کی ان باتوں کو قربان کر دے جن کو وہ حقیقتیں سمجھ رہا ہے کہتے ہیں (انگریزی کا محاورہ ہے اس کا ترجمہ یہ ہے) ایک جھاڑی کے دو پرندوں سے ہاتھ کا ایک پرندہ بہتر ہے۔

پس اسی قسم کا مضمون ہے جو صرف مغرب ہی میں نہیں بلکہ مشرق میں بھی ذہنوں میں ابھرتا ہے خواہ الفاظ میں بیان کیا جائے یا نہ کیا جائے اور مختلف شعراء اسی مضمون کو خود تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں چنانچہ دنیا کے اکثر ادب میں آپ یہ مضمون پائیں گے کہ آئندہ کے وعدوں پر، حُور و قصور کے وعدوں پر، کل کی شراب کے وعدوں پر آج کی حسیناؤں کو، آج کی شراب کو کیوں قربان کریں۔آج

جو ہاتھ میں ہے وہ ٹھیک ہے کل دیکھی جائے گی۔ چنانچہ الفاظ تو بہر حال مختلف ہوتے ہیں اور شاعرانہ تخیل کے ساتھ باندھے جاتے ہیں لیکن بنیادی طور پر یہی مضمون ہے جو دنیا کے ہر ادب میں آپ کو ملے گا اور اسی مضمون کو قرآن کریم ایک ٹھوس حقیقت کے طور پر گناہوں کا ذمہ دار قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ گناہ کا اور دنیا میں جھک جانے کا سب سے بڑا محرک یہ یقین ہے کہ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوگا اور یہ جو لِقَآءَ کے قصے ہیں یہ سب فرضی باتیں ہیں اور کہانیاں ہیں۔ چنانچہ دراصل ان آیات سے پہلے جو آیات ہیں وہ اسی مضمون کو بیان کر رہی تھیں۔ میں نے درمیان سے تلاوت شروع کی اب میں پہلی آیات پڑھ کے سناتا ہوں تا کہ آپ کو ذہن نشین ہو جائے کہ کیا مضمون چل رہا تھا اور قرآن کریم ہمیں کیا سمجھانا چاہتا ہے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ (الجاثیہ:۳۲)

پس وہ لوگ جنہوں نے انکار کر دیا۔ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ کیا تمہارے سامنے ہماری آیات پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں یا ہماری طرف سے نشانات تمہارے سامنے پیش نہیں کئے جاتے تھے۔ فَاسْتَكْبَرْتُمْ پس تم نے تکبر سے کام لیا اور تم قوم مجرمین بن گئے۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اور جب ان کے سامنے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا کا وعدہ حق ہے۔ یقیناً سچا ہے وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا اور قیامت کے متعلق کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ لازماً ہوگی اور لازماً تمہارا سوال وجواب ہوگا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ تم یہ جواب دیتے ہو کہ ہمیں نہیں پتا کہ قیامت کیا چیز ہے اور ساعت کیا ہوگی۔ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ہم تو ظنوں میں مبتلاء ہیں خیالات اور توہمات میں مبتلاء ہیں۔ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ اور ایک بات پختہ ہے کہ ہم ان باتوں پر یقین کرنے والے نہیں۔ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا پس ان کے لئے ان بداعمالیوں کا پھل ظاہر ہو گیا جن میں وہ مبتلاء تھے۔ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور ان کا اس چیز نے احاطہ کر لیا جس پر وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا نے اس مضمون کو خوب اچھی طرح کھول دیا ہے کہ محض عقائد کی بناء پر کوئی شخص پکڑا نہیں جاتا بلکہ عقائد کے نتیجے میں جو بداعمالیاں پیدا ہوتی ہیں ان کے نتیجے میں پکڑا جاتا ہے اور ہر عقیدے کے ساتھ کچھ بداعمالیوں کا تعلق ہوتا ہے۔ پس

قرآن کریم نے جو عقائد پر زور دیا ہے اور ایمانیات پر زور دیا ہے وہ محض ایک فرضی بات نہیں بلکہ ہر عقیدے کے ساتھ بعض اعمال کا گہرا تعلق ہوتا ہے اور ہر حقیقت کے انکار کے نتیجے میں بعض بدیاں لازماً پیدا ہوتی ہیں۔ پس آخرت پر یقین پر جو زور دیا جاتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اگر آخرت پر سے ایمان اٹھ جائے تو دنیا کی طرف رجحان اسی نسبت سے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اسی حد تک انسان گناہوں پر جرأت کرتا چلا جاتا ہے۔ پس وہ لوگ جو آخرت کو ظن کی باتیں سمجھنے لگتے ہیں وہ اس دنیا میں کسی قیمت پر بھی اپنی لذتوں سے کنارہ کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فرضی باتوں کے اوپر ہم آج کی لذتوں کو کیوں قربان کریں۔ یہ وہ مضمون ہے جس کے نتیجے میں بداعمالیاں پیدا ہوتی ہیں، جس کے نتیجے میں حق کو قبول کرنے سے محرومی پیدا ہوتی ہے۔ یہ دو باتیں ہیں جو قرآن کریم نے کھول کر بیان فرمائی ہیں، پس وہ قومیں جو اسلام سے دور ہیں جب آپ ان کو اسلام کا پیغام پہنچاتے ہیں تو آپ کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان میں بھاری اکثریت خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی آخرت پر وہ یقین نہیں رکھتی جو آپ رکھتے ہیں یا آپ کو رکھنا چاہئے اور اس کے نتیجے میں محض دلائل کافی نہیں ہیں اور ایسا طریق اختیار کرنا ضروری ہے یا ایسے دلائل دینا بھی ضروری ہے جن کے نتیجے میں اُخروی زندگی پر ایمان بڑھے اور انسان کو اس بات کا احساس پیدا ہو کہ میں آزاد نہیں ہوں میری ضرور جواب طلبی ہوگی۔ یہ جواب طلبی کا جو فقدان ہے یہ دنیا میں کئی شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے قرآن کریم کے مضمون کی روشنی میں ہر قسم کی بداعمالیوں سے تعلق ہے چنانچہ آج کل مغربی دنیا جس دور میں داخل ہو رہی ہے وہ صرف آخرت کی جواب طلبی کے انکار کا دور نہیں بلکہ دنیا کی جواب طلبی سے بھی انکار کا دور ہے اور انفرادی آزادی پر امریکہ میں اور یورپ میں زور دیا جا رہا ہے یہ اگلا قدم، یہ اگلا دور ہے جس میں وہ داخل ہو چکے ہیں۔

مذہب سے دوری کا پہلا وہ دور ہے جو آخرت میں جواب طلبی سے انکار کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں خدا سے تعلق رکھنے والی ساری ذمہ داریوں کو انسان اپنی گردن سے اتار کے پھینک دیتا ہے اور ساتھ ہی بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے والی ان ذمہ داریوں کو بھی انسان ترک کرنے لگتا ہے جن کا مذہب سے تعلق ہو اور مذہبی تعلیم سے تعلق ہو۔ یہ دور یورپ کی گزشتہ ایک

دوصدیوں کا دور تھا۔صرف یورپ نہیں کہنا چاہئے امریکہ بھی اس میں شامل ہے اور مغربی دنیا یا مغربی دنیا سے متأثر ساری قومیں اس میں شامل ہیں۔ایک عرصے کے بعد آخرت کا سوال نہیں رہتا بلکہ جواب طلبی کا تصور قریب آجاتا ہے اور انسان یہ سوچنے لگتا ہے کہ میں کیوں کسی کے سامنے جواب دہ ہوں۔ جب کوئی خدا نہیں ہے کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے میں خود ہوں جو اپنے سامنے جوابدہ ہوں اس لئے مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں معاشرے کی پابندیوں کا خیال کروں،تہذیب کی پابندیوں کا خیال کروں،اچھے برے کی پابندیوں کا خیال کروں اس دور میں داخل ہو کر انسانی علوم بھی نئے نئے شاخسانے چھوڑنے لگتے ہیں اور بدی اور برائی کے درمیان کوئی تمیز باقی نہیں رہتی چنانچہ آج کل جو مغربی دنیا میں معاشرے سے متعلق اور اخلاقیات سے متعلق جو فلسفے پڑھائے جاتے ہیں ان میں اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ اچھے اور بُرے کے درمیان جو روایتی تمیزیں تھیں وہ مٹ چکی ہیں اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اچھا کیا ہے اور بُرا کیا ہے۔ ہر شخص آزاد ہے۔اگر ماں باپ بچے کو یہ سمجھا سمجھا کر بعض باتوں سے باز رکھیں کہ یہ باتیں بُری ہیں تو وہ دراصل بچے پر ظلم کرنے والے ہوں گے اور اس کی آزادیاں سلب کرنے والے ہوں گے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میں جرمنی گیا تو وہاں سوالات میں ایک یہ بھی سوال اٹھایا گیا کہ آپ بچوں کی آزادیاں کیوں سلب کرتے ہیں؟ کیوں بچوں کو اپنی مرضی سے جو کچھ وہ چاہیں کرنے نہیں دیتے؟ اور جب میں نے اس کا جواب دیا اور سمجھانے کی کوشش کی تو غالباً مجلس میں سے ہی کسی نے بتایا کہ ہمارے سب سکولوں میں استاد بالعموم یہ کہنے لگے ہیں کہ یہ سب پرانی باتیں ہیں کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ ہر شخص آزاد ہے جو دل میں آتا ہے کرو اور اگر تم نے نہ کیا تو پھر تم نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جاؤ گے اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔اب جواب طلبی سے یہ انکار آخرت کی بات نہیں رہی اس دنیا میں آگئی اور اس کے نتیجے میں پھر حکومت کے قوانین سے انکار کا رجحان بھی بڑھتا چلا جاتا ہے اور بے راہ روی جو ہے اس کی کوئی حد نہیں رہتی۔

پس قرآن کریم جو مضمون بیان کرتا ہے اس میں بہت ہی گہرائی ہوتی ہے اور انسانی فطرت سے اس کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔پس یہاں فرمایا کہ دنیا کی طرف تمہارا بڑھتا ہوا رجحان تمہیں بے راہ رو کر دے گا اور بھٹکا دے گا اور فرائض سے غافل کر دے گا۔اور آج مغربی دنیا میں ہم یہی دور دیکھ رہے ہیں۔

میں نے اس سوال کرنے والے سے کہا کہ یہ جو تم نے سوال اٹھایا ہے اپنے استاد سے پوچھو

کہ اس سوال کی آخری حد کونسی ہوگی۔ اگر ماں باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ بچوں کو بعض باتیں کرنے سے روکیں تو حکومت کو کیا حق ہے کہ وہ شہریوں کو بعض باتیں کرنے سے روکے کسی معاشرے کو کیا حق ہے کہ کسی کو کوئی بات کرنے سے روکے اور ایک دفعہ یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ کسی کو کسی سے روکنے کا کوئی حق نہیں ورنہ وہ شخص جس کو روکا جاتا ہے بیچارہ نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے گا تو ہر قانون دنیا سے اٹھ جائے گا اور کسی کو کوئی حق نہیں رہتا۔

ایک انسان کا دل چاہتا ہے کہ وہ چوری کرے کیوں اس کو چوری نہیں کرنے دیتے؟ بعض لوگوں کا دل چاہتا ہے کسی کے منہ پر تھپڑ ماریں کیوں نہیں مارنے دیتے؟ بعض دفعہ بغیر وجہ کے بھی دل چاہنے لگ جاتا ہے بعض بچوں کو عادت ہوتی ہے وہ برداشت نہیں کر سکتے کسی کمزور بچے کو دیکھیں تو جب تک اس کو مار نہ لیں، اس کو دھکا نہ دیدیں اس وقت تک اس کو مزا نہیں آتا۔ بچپن کی یہی عادت بعض بڑوں میں بھی ہو جاتی ہے۔ ان کے دماغ میں اچانک جنون اٹھتا ہے کہ ہم کسی کو کچھ چھیڑیں، تنگ کریں، اس کے بغیر ان کو لطف نہیں آتا۔ اگر انسانی نفسیات کا یہ تقاضا ہے کہ جو خواہش ہو اس کو پورا کر دینا چاہئے اور روکنے کا کسی کو حق نہیں تو پھر صرف مذہب کا سوال باقی نہیں رہتا۔ دنیا کے ہر معاملے میں اور تعلقات کے ہر دائرے میں یہی قانون نافذ ہوگا۔ اور اس کے نتیجے میں انسان ہر ذمہ داری سے کلیۃً آزاد ہو جائے گا۔ پس ذمہ داریوں سے آزادی کا رجحان ہے جو آج کی دنیا میں آپ دیکھ رہے ہیں اور یہ رجحان دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

ان کو آپ جب تبلیغ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں یہ خوبیاں ہیں اور اسلام میں وہ خوبیاں ہیں تو آخر پر ان کی تان اکثر اس بات پر ٹوٹتی ہے کہ عورت کو اسلام کیا آزادی دیتا ہے اور میں اس سوال پر پھر مرد اور عورتیں سب مشترک ہو جاتے ہیں، اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ آپ جواب دیں اور ان کو عقلی طور پر مطمئن بھی کرائیں لیکن ان کی مسکراہٹ بتا رہی ہوتی ہے کہ تم جو چاہو کر لو ہم اس معاشرے کو چھوڑنے والے نہیں۔ عورتیں جو بن ٹھن کر باہر نکلتی ہیں اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہیں ارادۃً یا غیر ارادی طور پر، اپنے رہن سہن کی طرز کی بنا پر میری مراد ہے وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان کو وہ سمجھتے ہیں کہ واپس تو اب کوئی نہیں دھکیل سکتا نہ ہم ان عادتوں کو چھوڑنے والے ہیں۔

پس یہ وہ مقام ہے جو انتہائی خطرناک مقام ہے اس کا آغاز اسی کمزوری سے ہوا ہے جس کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا کہ آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ دنیا یہی ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اگر ہے تو شاید بھوت پریت قسم کی زندگی ہو۔ شاید روحوں کا دنیا میں بھٹکتے رہنا اور اپنے دنیا کے تعلقات کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کرنا اس زندگی کا مزاج ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں لیکن جواب طلبی کے نقطہ نگاہ سے یہ لوگ اُخروی زندگی کے قائل نہیں رہتے۔ آج کل مغربی دنیا میں ایک یہ بھی رجحان بڑھ رہا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کے تذکرے کئے جائیں اور سائنسی لحاظ سے یا فلسفیاتی لحاظ سے یہ ثابت کیا جائے کہ مرنے کے بعد انسان کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہے گا۔ میں نے اس قسم کے لٹریچر کا مذہبی نقطہ نگاہ سے بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے اور میں اس مطالعہ کے بعد آپ کو وثوق سے بتاتا ہوں کہ ان کا مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین کرنا یا اس کی باتیں کرنے کا جو رجحان ہے اس کا جواب طلبی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کسی جدید لٹریچر میں یہ بات نہیں پائیں گے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح کسی شکل میں اس لئے زندہ رہے گی کہ وہ خدا کی طرف لوٹائی جائے اور خدا اس سے جواب طلبی کرے۔ اس مضمون کا دور سے بھی کوئی ذکر ان کی کتابوں میں اور ان کی تحقیقات میں آپ کو نہیں ملے گا۔ ان کا مرنے کے بعد کی زندگی کا تصور ایک خوش فہمی سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک خام خیالی سے تعلق رکھتا ہے۔ موت سے تو ان کو انکار نہیں ہے اور ہر انسان کا دل چاہتا ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہوں اور زندگی کے انقطاع کے بعد ایک بے چینی لگ جاتی ہے۔ ہر انسان سمجھتا ہے کہ کیا یہی سب کچھ تھا۔ میں پیدا ہوا میرے تعلق والے دوست پیدا ہوئے، ہمارے بڑے پیدا ہوئے اور آکے گزر گئے اور بس یہ سلسلے ختم ہو گئے۔ یہ سوال ان کو بے چین کر دیتا ہے دل چاہتا ہے کہ کسی طرح مرے ہوؤں سے تعلق جوڑ سکیں۔ اس خواہش کی بنا پر نہ کہ خدا سے تعلق جوڑنے کی خواہش کی بناء پر یہ ایک فرضی زندگی کا تصور باندھتے ہیں اور اسی کے اوپر مضامین لکھتے ہیں۔ چنانچہ مرنے کے بعد کی زندگی کا ان کا مضمون یہیں ختم ہو جاتا ہے کہ ہمارے پرانے تعلق والے عزیز یا دوست جو مر گئے وہ کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہ کر ہم سے دوبارہ تعلق قائم کر سکتے ہیں اس مضمون کا قرآنی مضمون سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ خدا کی طرف لوٹائے جائیں گے اور دنیا سے ان کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا۔ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۶﴾ (الانبیاء:۹۶) کہ ہم

نے کسی بستی پر حرام کر دیا ہے جس کے باشندے، رہنے والے جب ایک دفعہ مر جائیں وہ ہرگز کبھی لوٹ کر دوبارہ وہاں نہیں آئیں گے۔

پس دیکھیں کہ بظاہر ایک ہی قسم کا مضمون ہے جس پر یہ بھی ایمان لا رہے ہیں اور اہل ایمان بھی خدا تعالیٰ پر یقین کرنے والے بھی ایمان لاتے ہیں لیکن بنیادی طور پر ان کے محرکات بھی الگ ہیں اور ایک دوسرے سے بالکل جدا جدا ہیں۔ ان کا مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان اس زندگی پر ایمان کے نتیجے میں اور اس کی بڑھی ہوئی خواہش کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور مرنے والوں کو بھی دوبارہ اپنی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ اور مذہبی تصور میں دنیا سے تعلق کاٹ کر روحوں کو خدا کی طرف واپس بھجوایا جاتا ہے اور وہاں جا کر وہ جوابدہ ہوتے ہیں۔

پس یہ وہ مذہبی تصور ہے کہ تم مرو گے، خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہاں تمہارے سے جواب طلبی کی جائے گی۔ یہ بنیادی تصور ہے جو گناہوں کے قلع قمع کرنے کے لئے ضروری ہے اور اس تصور سے آپ جتنا دور ہوتے چلے جائیں گے اتنا ہی توہمات کا شکار ہوتے چلے جائیں گے اور اتنا ہی غیر ذمہ دار ہوتے چلے جائیں گے۔ آخر وہ مقام آتا ہے جب انسان جرائم پر بے دھڑک ہو کر جرأت اختیار کرتا ہے پھر نہ وہ خدا کو جواب طلبی کا حق دے سکتا ہے نہ انسان کو جواب طلبی کا حق دے سکتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں آزاد ہوں۔ مروں گا یہیں ختم ہو جاؤں گا۔ زندگی میں جو کچھ میں کر سکتا ہوں میں کروں گا کوئی مجھے روکنے والا نہیں۔ اس دور میں جب دنیا داخل ہوتی ہے تو جرائم اس تیزی سے پرورش پاتے ہیں کہ پھر ان پر کوئی حکومتیں اختیار نہیں رکھتیں اور کسی طرح ان کو روک نہیں سکتیں۔

انگلستان میں ٹیلی ویژن پر آج کل اس قسم کی بہت بحثیں آتی ہیں کہ جرائم بڑھ رہے ہیں ان کو کس طرح روکا جائے، پولیس قوانین میں کیا تبدیلیاں پیدا کی جائیں، کیا اختیار ان کو دیئے جائیں کیا اختیار نہ دیئے جائیں اور جب میں ان پروگراموں کو دیکھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ قرآنی حکمتوں سے ہٹ کر جب دنیا کے حکمتوں والے بھی باتیں کرتے ہیں تو بالکل جاہلانہ باتیں ہوتی ہیں **جرائم کو قوانین نہیں روکا کرتے، کوئی دنیا کا قانون، کوئی دنیا کی پولیس جرائم کو روک نہیں سکتی۔ جرائم کو دبا سکتی ہے اور جرائم کو روکنے کے لئے صرف خدا تعالیٰ کا تصور اور اس سے تعلق کا تصور ہے جو حقیقت میں کام کر سکتا ہے۔ ایسا انسان جو خدا پر یقین رکھتا ہے اور خدا سے ملاقات کا یقین رکھتا ہے**

اس کے اندھیرے بھی روشن ہو جاتے ہیں کیونکہ اسے چھپنے کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ وہ جہاں بھی جائے جس حالت میں زندگی بسر کرتا ہو وہ آنکھوں کے نیچے رہتا ہے اور نظر کے سامنے رہتا ہے۔ یہی ایک حقیقت ہے جو انسان کو گناہوں سے پاک کرسکتی ہے اس کے سوا اور کوئی طریق گناہوں سے پاک ہونے کا نہیں ہے۔

پس دنیا کی خرابیاں ہوں یا مذہبی امور سے تعلق رکھنے والے گناہ ہوں تمام جرائم کی جڑ اس بات میں ہے کہ ہم خدا سے لِقَآءَ کے مضمون کو بھلا دیتے ہیں اور رفتہ رفتہ اس سے پیچھے ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ ظاہراً انکار کریں یا نہ کریں۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں مرنے کے بعد خدا سے ملنے کا تصور کمزور پڑتا چلا جاتا ہے اور یہ تصور جتنا کمزور پڑتا چلا جاتا ہے اتنا ہی انسان گناہوں پر دلیری اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ معاشرتی گناہ بھی جن کو ہم قانون شکنی کہتے ہیں وہ بھی زور مارنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام سوسائٹی انارکی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

پس جماعت احمدیہ کو ان بنیادی حقیقتوں کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے خواہ کوئی کتنی تلقین کرے سچائی کی، عبادتوں کی، نیکی اختیار کرنے کی، بنی نوع انسان سے ہمدردی کرنے کی، بنی نوع انسان کے حقوق ادا کرنے کی، کیسی کیسی اچھی نصیحتیں کیوں نہ کرے جب تک سننے والے کو یہ یقین نہ ہو کہ میرا ایک خدا ہے اور مرنے کے بعد میں نے اس کے حضور پیش ہونا ہے اس وقت تک یہ نصیحتیں اثر نہیں دکھا سکتیں یا دکھاتی ہیں تو ایک عارضی سا اثر دکھاتی ہیں پس اس بنیادی حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر اتنا زور دیا ہے اور مختلف رنگ میں اس پر روشنی ڈالی ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریریں کسی نے پڑھی ہوں تو اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ کبھی بھی اس بنیادی مضمون کو فراموش کر سکے۔ وہ نظم جو ہمیشہ شادیوں کے موقع پر پڑھی جاتی ہے اس کا مصرعہ یہی ہے نا کہ:

ع یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی (درثمین صفحہ:۳۴)

کہ اے خدا اس دن کو مبارک کر اور ساتھ عرض کیا سبحان من یرانی. پاک ہے وہ ذات جو مجھے ہمیشہ دیکھتی ہے۔ پس جو شخص اس یقین کے ساتھ زندہ ہے کہ ایک ذات اس کو ہمیشہ دیکھتی رہتی ہے اس کی زندگی میں کوئی اندھیرا آ ہی نہیں سکتا۔ وہ روشنی کے وقت بھی روشنی میں رہتا ہے اور

اندھیروں کے وقت میں بھی روشنی میں رہتا ہے اور یہ مضمون ایک جیسی شدت کے ساتھ سب پر چسپاں نہیں ہوتا۔اندھیروں میں بھی نسبتیں ہوا کرتی ہیں، روشنی میں بھی نسبتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک اندھیرے سے انسان روشنی کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اگلی روشنی کے مقابل پر وہ پہلی روشنی اندھیرا دکھائی دینے لگتی ہے اس لئے یہ بہت لمبا سفر ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ خدا کے تصور کو زیادہ سے زیادہ تازہ کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ لمحات اپنی زندگی کا حصہ بنایا جائے اور زیادہ سے زیادہ لمحات میں خدا تعالیٰ کے وجود کا تصور باندھا جائے یہی ایک طریق ہے جس سے انسان حقیقی معنوں میں گناہوں سے نجات پاسکتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ’’افسوس کا مقام ہے کہ یہ دنیا چند روزہ ہے لیکن اس کے لئے وہ کوششیں کی جاتی ہیں کہ گویا کبھی یہاں سے جانا ہی نہیں۔انسان کیسا غافل اور ناسمجھ ہے کہ اعلانیہ دیکھتا ہے کہ یہاں کسی کو ہمیشہ کے لئے قیام نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔اگر یہ لوگ جو بڑے کہلاتے ہیں اس طرف توجہ کرتے تو کیا اچھا ہوتا۔دنیا کی عجیب حالت ہو رہی ہے جو ایک دردمند دل کو گھبرا دیتی ہے۔بعض لوگ تو کھلے طور پر طالب دنیا ہیں اور ان کی ساری کوششیں اور تگ ودو دنیا تک محدود ہے لیکن بعض لوگ ہیں جو اسی مردود دنیا کے طلب گار مگر وہ اس پر دین کی چادر ڈالتے ہیں۔جب اس چادر کو اٹھایا جاوے تو وہی نجاست اور بدبو موجود ہے یہ گروہ پہلے گروہ کی نسبت زیادہ خطرناک اور نقصان رساں ہے۔(ملفوظات جلد ۴ صفحہ: ۴۶۷)

یہ پہلو جو ہے اس کو خاص طور پر پیش نظر رکھیں کہ محض دین کی چادر اوڑھ لینا کافی نہیں بلکہ حقیقت میں اس چادر کے اندر کی زندگی ہے جو خدا تعالیٰ کی نظر میں رہتی ہے۔پس جب تک ہم پوری کوشش کر کے چادر سے باہر کی زندگی کو چادر کے اندر کی زندگی کے مطابق نہ کر لیں اس وقت تک ہم مقام امن میں نہیں آسکتے اور یہ بات کہنے کو آسان ہے لیکن بہت مشکل بات ہے۔

ایسی بات ہے جس پر ساری زندگی محنت کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ خدا کے غیر معمولی فضل کے سوا کوئی انسان یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہو کہ میری چادر سے باہر کی زندگی

میری چادر کی اندر کی زندگی کے مطابق ہے۔بسا اوقات بڑے سے بڑے بزرگ کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک وہ جیسا کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا چادراوڑھے ہوئے کی حالت کہ باہر سے لوگ اس کے دین کو دیکھ سکتے ہیں اس کے دل کی حالت سے بے خبر اوراس کے خفیہ اعمال سے بے خبر رہتے ہیں اورایک وہ حالت ہے جو وہ اندر بیٹھا دیکھ رہا ہے۔سب سے بڑی تکلیف اس بات کی ہوتی ہے کہ بعض لوگ اپنی اندر کی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور یہ تب ہوتا ہے جب انسان اس احساس سے بالکل غافل ہو جاتا ہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔

پس اس مضمون کواچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لئے میں تفصیل سے یہ بات آپ کوسمجھانے کی کوشش کرر ہا ہوں کہ ہم میں سے وہ جوسچا ایمان لانے والا ہے اور واقعۃً ایمان لانے والا ہے وہ یہ تو کہہ ہی نہیں سکتا، یہ تو سوچ ہی نہیں سکتا کہ میں خدا کے سامنے پیش نہیں ہوں گا ہراحمدی یہ یقین رکھتا ہے لیکن پیش ہونے سے پہلے اس دنیا میں اگراس کو یہ پتا نہ ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے تو اسی حد تک پیش ہونے کی ذمہ داریوں سے وہ غافل ہوتا چلا جائے گا اوراس یقین کے باوجود کہ میں نے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے انسان اپنے گناہوں کی حالت سے غافل ہونا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے گناہوں کواندھیرے کی حالت میں کیا ہے اور گناہوں کے وقت کوئی اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔ باشعور طور پر چاہے وہ نہ سمجھے لیکن غیر شعوری طور پر یہ یقینی بات ہے کہ گناہ کے وقت انسان خدا کی نظر سے غافل رہتا ہے۔ یہ حالت جب بد سے بدتر ہونی شروع ہو تو بالآخر ایسے انسان کوخود اپنی اندر کی حالتوں کا بھی علم نہیں رہتا اورانسان غفلتیں کرتا ہے لیکن محسوس نہیں کرتا کہ میں نے کیا کیا؟

یہ وہ چادر کے اندرایک اور چادر ہے جس کے اندر وہ داخل ہو جاتا ہے اوراس حالت سے لوگوں کو نکالنا بہت ہی مشکل کام ہے۔تربیت کے دوران ہر قسم کے مواقع پر میں نے خاص طور پر یہ محسوس کیا ہے کہ وہ شخص جس نے صرف ایک ہی چادر اوڑھی ہوئی ہے اور بظاہر نیک ہونے کے باوجود وہ خدا کی نظر سے غافل بھی رہتا ہے اس کو اگر جھنجھوڑا جائے تو وہ سنبھل جاتا ہے اور بہت جلدی اس میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے لیکن وہ شخص جس کی اپنی نظر دھندلا جائے، جو اپنے اعمال سے خود غافل ہو چکا ہو اس کو جھنجھوڑ کر جگانا بہت ہی مشکل کام ہے کیونکہ بسا اوقات وہ ایک بدی میں مبتلا ہوتا ہے آپ اس کو کہتے ہیں تم کرر ہے ہو تو وہ آگے سے بھڑک اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایسی بات

نہیں کرتا۔ آپ جھوٹے کو جھوٹا کہہ دیں وہ ایسے غصے سے آپ کو جواب دے گا کہ تم جھوٹے ہو گے، تمہارے ماں باپ جھوٹے میں تو بالکل جھوٹ نہیں بولتا یا تم ہوتے کون ہو مجھے جھوٹا کہنے والے اور کبھی وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کی ساری زندگی جھوٹ میں صرف ہوتی ہے۔ پس بہت سے ایسے گناہ ہیں جو خدا کی نظر تو درکنار خود اپنی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اس حالت کا نام ہے ظلمات کے اوپر ظلمات یعنی ایک ظلمت نہیں ہے بلکہ کئی قسم کی ظلمتوں کے اندر انسان گھرا ہوا ہے۔ پس صرف ایک ظلمت یعنی پہلی ظلمت جو ہے وہ اتنی خطرناک نہیں مگر جب ظلمت کے اندر ظلمت پیدا ہونی شروع ہو جائے تو رفتہ رفتہ انسان کو اس بات کا شعور ہی نہیں رہتا کہ میں کیا کر رہا ہوں کیوں کر رہا ہوں۔ اس کی نظر سے تمام حقیقتیں اوجھل ہو جاتی ہیں۔ ایسے انسان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ ایک چوپائے کی طرح زندگی بسر کرتا ہے جو اوندھے منہ چلنے والا ہو۔ اس کا کوئی مرشد نہ ہو کوئی اس کو ہدایت نہ دے سکتا ہو۔

پس بنیادی عقیدہ وہی ہے یعنی خدا سے مرنے کے بعد لِقَآءَ کا عقیدہ۔ اس کے آپ جتنے قریب جائیں گے اتنا آپ کو روشنی نصیب ہوگی جتنا باشعور طور پر اس عقیدے کو چمٹیں گے اور اس کی پناہ میں آئیں گے اتنا ہی آپ ظلمات سے روشنیوں کی طرف سفر کرنے والے ہوں گے۔ جتنا اس عقیدے سے غفلت کی حالت میں یا باشعور طور پر پیچھے ہٹیں گے اتنا ہی گناہوں میں مبتلا ہوتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اپنی حالت سے کلیۃً بے خبر ہو جائیں گے پس ’’نسی‘‘ کا مضمون یعنی بھلا دینے کا مضمون دراصل ان سب باتوں کو بھلا دینا ہے۔ جب خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے لقاء یوم آخر کو بھلا دیا اس لئے یہ سزا دیتا ہوں تو یہ کوئی ایسا ظالمانہ فیصلہ نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے مثال دی کہ دنیا کے بادشاہ کسی کو جیل میں ڈال کے بھلا دیتے ہیں بلکہ اس کا بہت گہرا انسانی نفسیات سے تعلق ہے۔ انسان جب لقاء کے مضمون کو بھلاتا ہے تو رفتہ رفتہ اپنے آپ سے بھی غافل ہوتا چلا جاتا ہے اور جو اپنے آپ کو بھلا دے وہ کسی اور سے کیسے شکوہ کر سکتا ہے کہ مجھے تم نے بھلا دیا۔ پس اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ وہ ہمیں اپنی لقاء کی حقیقی معرفت عطا کرے اور ہم موت کو یاد رکھنے والے ہوں بھلانے والے نہ ہوں۔ موت دنیا کی سب سے زیادہ یقینی حقیقت ہے لیکن سب سے زیادہ بھلا دی جاتی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو ہم سے پہلے گزر گئے اور پھر کبھی خوابوں کے سوا ان کی صورت نہیں

دیکھی مگر اس کے باوجود انسان اس دنیا میں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے اس طرح رہتا ہے جیسے ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اپنے مفادات کی خاطر اپنے دنیاوی مفادات کی خاطر بے دھڑک آخرت کے مفادات کو قربان کرتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے عزیزوں سے ناراض ہوتا ہے۔ ان کی زندگی بھی تلخ کرتا ہے اپنی زندگی بھی تلخ کرتا ہے اور نہیں سوچتا کہ اس چند روزہ دنیا نے جب ختم ہونا ہے تو انسان کو یوں محسوس ہوگا جیسے میں کچھ رہا ہی نہیں ۔ چند گھڑیاں رہا ہوں اس وقت یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ خوامخواہ تھوڑی دیر کی خاطر میں نے ساری زندگی برباد کرلی اور انسان یہ ارادہ کرتا ہے کہ میں واپس جاؤں تو پھر میں یہ یہ کام کروں ۔ یہ سب جھوٹے قصے ہیں۔ آج اگر آپ کو موت کا احساس نہ ہو تو آپ کی یہ زندگی سنور نہیں سکتی۔ موت کے وقت کا احساس گزشتہ زندگی کو سنوار نہیں سکتا۔ یہ دو دائمی حقیقتیں ہیں ان کو اگر آپ نے بھلا دیا تو کچھ بھی حاصل نہیں رہے گا اگر ان کو آپ اچھی طرح ذہن نشین رکھیں اور پکڑے رکھیں تو آپ کی انفرادی اصلاح کے لئے بھی یہ عظیم الشان کام سرانجام دیں گی اور قومی اصلاح کے لئے بھی یہ دو باتیں یعنی جماعت کی زندگی کے لئے اور اس کی بقاء کے لئے بہت عظیم الشان کام سرانجام دینے والی ہوں گی۔

بزرگوں نے جو قبروں کی زیارت کا لکھا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قبروں سے وہ کچھ مانگنے جاتے ہیں ۔تمام انبیاء قبروں کی زیارت کرنے والے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ماموریت سے پہلے بھی بزرگوں کی قبروں پر جایا کرتے تھے اور ویسے بھی قبور کی زیارت کیا کرتے تھے۔ یادرکھیں کہ اس میں ہرگز **نعوذ باللہ من ذٰلک** مردہ پرستی کا تصور داخل نہیں جن بزرگوں کی میں بات کر رہا ہوں وہ مردہ پرستی سے تو اس طرح کراہت کرتے تھے جیسے ایک نفیس طبیعت کا انسان ظاہری گندگی سے کراہت کرتا ہے۔ اس کے باوجود قبروں کے پاس جانا یا قبرستانوں میں جا کر ان کا خدا کی یاد میں غافل ہونا دراصل موت یاد کرانے کی خاطر ہوا کرتا تھا۔ آج کل کے زمانے میں بھی لوگ پاکستان میں اور بعض دوسرے ممالک میں قبروں کی زیارت کرتے ہیں بلکہ بالکل الٹ مقصد کے لئے ۔ بزرگ قبروں پر اس لئے جاتے ہیں کہ موت یاد آئے اور یقین کریں کہ یہ سب لوگ مر چکے ہیں اور جو مردہ دل لوگ ہوں وہ قبروں پر اس لئے جاتے ہیں کہ یہ بھی نہیں مرے جو بظاہر مرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بھی زندہ ہیں اور ان سے مانگا جا سکتا ہے، ان

سے مرادیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

پس ظاہری طور پر دیکھیں زیارت ایک ہی قسم کی ہے لیکن نتائج کتنے مختلف ہیں ایک زیارت موت کو بھلا دینے والی زیارت ہے یعنی جو مرے ہوئے ہیں ان کو بھی زندہ سمجھ رہے ہیں اور ایک زیارت ہے جو زندوں کو بھی موت کا خوف دلاتی ہے۔ پس جواب طلبی کی خاطر موت کو یادرکھنا یہ ہر قسم کے انسانی معاشرے کی اصلاح کے لئے ضروری ہے اور صرف مذہبی معاشرہ نہیں بلکہ غیر مذہبی معاشرہ بھی اگر لِقَآءَ کا قائل ہو جائے تو مذاہب کے اختلاف کے باوجود انسان کے اخلاق پر اس لِقَآءَ کا بہت ہی گہرا اثر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور جماعت احمدیہ کی اصلاح میں لِقَآءَ باری تعالیٰ کا عقیدہ غیر معمولی اثر دکھانے لگے۔

اس کی دعا کا خیال مجھے اس لئے آیا ہے کہ بسا اوقات میں نے دیکھا ہے کہ نصیحتیں کی جاتی ہیں مسلسل کی جاتی ہیں مگر اثر نہیں ہوتا۔ پھر میں اپنے آپ کو جھنجھوڑتا ہوں وجوہات تلاش کرتا ہوں۔ کیا وجہ ہوئی کہ بعض بدیاں جماعت سے دور نہیں ہو رہیں بعض معاشرتی خرابیاں ہیں جو مٹنے میں نہیں آرہیں کیا میرے بیان میں کوئی کمزوری رہ گئی یا کوئی ایسی باتیں ہیں جن تک نظر نہیں پہنچ سکی تو ان کی تلاش میں میری نظر اس بات پر آ کر ٹھہری کہ حقیقت میں ان تمام بدیوں کا لقائے یوم آخر سے بڑا گہرا تعلق ہے اس لئے جماعت میں لِقَآءَ کے مضمون کا بار بار ذکر کرنا ضروری ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقام پر فائز کرے جہاں ہم اس کو دیکھ رہے ہوں اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہو۔